فورٹ ولیم کالج

اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت میں فورٹ ولیم کالج کا کردار نمایاں رہا ہے۔اس کالج کے ذریعہ اردو کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمے کا فریضہ جس نہج سے انجام دیا گیا اس سے اردو زبان میں مزید نکھار آیا اور اردو کے سہل وشستہ زبان بننے کی جانب ایک سنگ میل ثابت ہوا۔حالانکہ اس ارادے کا مقصد اردو زبان کو فروغ دینا نہیں تھا بلکہ انگریزوں کو مقامی زبان سے واقف کرانا تھا کہ وہ یہاں بہتر طور پر حکومت کرسکیں۔انگریزوں نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ حکمرانی کے لئے یہاں کی زبان کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔یہی وجہ تھی کہ تصنیف وترجمے کا جو بھی کام ہوا اسے آسان زبان میں کیا گیا تاکہ پڑھنے والے آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں۔اس کالج کے پروفیسر رہے جان گلکرسٹ نے خود اس بات کا اعتراف کیا تھا۔اس ادارے میں خصوصیت سے نثری کام ہوا تھا۔شاعری سے گریز کیا گیا اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ جان گلکرسٹ کے مطابق شاعری کو وہی سمجھ سکتا ہے جو زبان پر عبور رکھتا ہو۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انگریزوں کا مقصد نہ تو اردو زبان کو فروغ دینا تھا اور نہ ہی اردو ادب کی تخلیق کرنا تھا لیکن بالواسطہ طور پر جس زبان کو اس کالج کے ذریعہ اختیار کیا گیا اور فروغ دیا تھا وہ اردو کو سنوارنے نکھارنے اور اسے فروغ دینے میں اتنا اہم ثابت ہوا کہ اسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

فورٹ ولیم کالج کا قیام ۱۸۰۰ء میں عمل میں آیا۔اس کے ٹھیک ایک سال قبل سری رنگا پٹنم میں شیر میسور سلطان ٹیپو کی انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت ہوئی تھی۔انگریزوں نے فتح کی علامت کے طور پر ایک سال بعد اس کالج کا افتتاح کیا۔ویلزلی نے اس کالج کے افتتاح میں اتنی عجلت دکھائی کہ کورٹ آف ڈائرکٹرس سے منظوری لئے بغیر اس کا آغاز کردیا گیا جس پر کورٹ کے ذریعہ پابندی بھی عائد کردی گئی لیکن سلطنت برطانیہ کی ہدایت پر اسے جاری کیا گیا۔اور اس میں ہندوستانی (اردو) کا شعبہ قائم ہوا جس کے پروفیسر جان گلکرسٹ بنائے گئے۔اور اس کے میر منشی، نائب میر منشی اور منشی کا تقرر ہوا۔میر منشی کی تنخواہ دوسو روپے ماہوار، نائب میر منشی کی سو روپے اور منشی کی چالیس روپے مقرر ہوئی جب کہ پروفیسر کو ایک سو روپے ملا کرتے تھے۔ایک عہدہ سرٹیفکیٹ منشی کا بھی تھا جس کی ذمہ داری طلبا کو ان کے گھر جا کر پڑھانا تھا۔یہاں کام کرنے والے منشیوں میں میر بہادر علی حسینی، تارنی چرن متر، مرتضیٰ، حیدر بخش حیدری، سید جعفر، محمد تقی مبارک، محی الدین اور اسد علی خاں وغیرہ تھے۔کچھ ایسے ادبا بھی تھے جن کا تقرر بطور منشی نہیں ہوا تھا لیکن پروفیسر جان گلکرسٹ نے ان سے تصنیف وتالیف کا کام لیا۔ان میں میر ابوالقاسم، نہال چند لاہوری، توتا رام، کندن لال، غلام حیدر، باسط خاں، شاکر

علی، محمد بخش، حاجی مرزا مغل، بینی نارائن جہاں اور مرزا علی لطف وغیرہ اہم ہیں۔ ترجمہ وتصنیف کی خدمات انجام دینے والے ادیبوں میں مرزا کاظم علی جوان، مظہر علی خاں ولا، مولوی اکرام علی، بینی نرائن جہاں، مولوی امانت اللہ، سید حمید الدین بہاری اور مرزا جان طپش کا نام نامی اس حوالے سے کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام جن کتابوں کے ترجمہ وتصنیف کا کام ہوا ان میں میر امن کی باغ و بہار، شیر علی افسوس کی باغ اردو جو گلستان سعدی کا ترجمہ ہے اور خلاصۃ التواریخ، حیدر بخش حیدری کی مثنوی لیلیٰ مجنوں، توتا کہانی اور تذکرۂ گلشن ہند، نہال چند لاہوری کا تاج الملکوک اور گل بکاؤلی کا اردو ترجمہ، بہادر علی حسینی کی اخلاق ہندی، نثر بے نظیر اور ترجمہ تاریخ آسام، کاظم علی جوان کی ترجمہ تاریخ فرشتہ، سنگھاسن بتیسی اور بارہ ماسہ یا دستور ہند، مرزا علی لطف کی تذکرۂ، بینی نرائن کی دیوان جہاں (مولف)، مظہر علی خاں ولا کی پند ماہ سوری کا منظوم ترجمہ وغیرہ اہم ہیں۔

اس کالج کو بعد کے انگریز افسران کے ذریعہ یہ کہتے ہوئے کہ یہ بے جا اخراجات ہیں بند کر دیا گیا لیکن تقریباً بیس سال تک اس کالج کے باضابطہ طور پر کام کیا اور اردو شعبہ سے وابستہ ۱۸ مصنّفین ومترجمین نے کم وبیش پچاس کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمہ کیا۔ لیکن اس قلیل عرصے میں ہی فورٹ ولیم کالج نے اردو کو ایک ایسا رنگ واسلوب دیا جس کی پیروی کی گئی۔

فورٹ ولیم کالج میں عربی فارس، ہندی اور سنسکرت کے شعبے بھی قائم کئے گئے تھے۔ یہاں ایک پریس بھی تھا جہاں کتابیں شائع ہوتی تھیں۔ ایک کتب خانہ تھا جس میں گیارہ ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ فورٹ ولیم کالج انگریز افسروں کو مقامی زبان سکھانے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ چونکہ مقامی باشندے انگریزی نہیں جانتے اور انگریز اردو جو اس وقت کی عوامی بول چال کی زبان تھی، سمجھ رہے تھے۔ جس کی وجہ سے دو قوموں میں ترسیل کا مسئلہ تھا ایسے میں حکمرانی کے کام صحیح طور پر انجام پذیر نہیں ہو سکتے تھے۔ جب مقصد انگریزوں کو اردو سکھانا تھا تو ظاہر سی بات ہے کہ مقفیٰ و مسجع عبارت اور بھاری بھرکم عربی وفارسی کے الفاظ کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ جس طرح ایک بچے کو زبان سکھانی ہو تو اسے سادہ اور سلیس عبارت پڑھنے کو دی جاتی ہے۔ یعنی ایسا مضمون جس میں عبارت آرائی نہ ہو، مغلق الفاظ نہ ہوں، خیالات میں ژولیدگی اور پیچیدگی نہ ہو۔ تبھی کوئی بچہ زبان کو آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح انگریز جو اردو نہیں جانتے تھے انہیں سکھانے کے لئے آسان زبان پر زور دیا گیا اور فاسی سے جن کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ان میں صاف ستھری اور سلیس اردو زبان کو ملحوظ رکھا گیا۔ اس سے اردو کو بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ قبل ازیں عربی وفارسی کے ثقیل اور نامانوس الفاظ کا جو استعمال ہوتا تھا اور عبارت کو مقفّیٰ و مسجع بنانے کی دانستہ کوشش ہوتی تھی اس قدغن لگ گیا اور اردو نکھرتی چلی گئی اور ایک ایسی زبان وجود میں آئی جس نے جدید اردو کا روپ اختیار کیا۔ بعد ازاں غالب یا سر سید احمد خاں وغیرہ نے اسی اردو کو مزید فروغ دیا اور ہمارے سامنے اردو کی وہ شہد سے دھلی ہوئی زبان ابھر کر آئی جس کی شیرینی ہر

ایک کے دلوں میں مٹھاس گھولتی اور دنیا اسے ایک ایسی زبان کے طور پر تسلیم کرتی ہے جس کے شیریں ہونے پر کسی کو شک نہیں ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام ترجمہ وتالیف کے کام میں نمایاں خدمات انجام دینے والے چند معروف مصنّفین و مترجمین میر امن کا نام سرفہرست ہے۔ حالانکہ وہ زیادہ عرصہ تک اس کالج سے وابستہ نہیں رہے اور زیادہ کتابوں کا ترجمہ بھی نہیں کیا لیکن 'باغ و بہار' ایک ایسی کتاب ہے جس کی بدولت میر امن دہلوی ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

میر امن دہلوی ایک ایسے خانوادے کے چشم و چراغ تھے جنہیں حکومت سے جاگیریں ملی تھیں لیکن احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور بعد ازاں سورج مل جات کے ذریعہ ان کی جائیداد پر قبضہ کر لئے جانے کے بعد وہ بے یار و مددگار ہو گئے اور دہلی کو خیر باد کہہ کر عظیم آباد (پٹنہ) چلے آئے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد انہوں نے کلکتہ کا رخ کیا اور نواب زیادہ میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی پر مامور ہوئے۔ اسی درمیان اپنے دوست میر بہادر علی حسینی کے توسط سے فورٹ ولیم کالج ملازمت اختیار کر لی جہاں جان گل کرسٹ نے انہیں میر احمد خلف شاہ محمد کے فارسی نسخہ قصہ چہار درویش کا سلیس اردو ترجمہ کرنے کا کام سونپا۔ حالانکہ اس کتاب کا اردو ترجمہ عطا حسین تحسین نے 'نوطرز مرصع' کے نام سے کیا تھا لیکن یہ ترجمہ ایسا تھا کہ فورٹ ولیم کالج کے مقصد کو پورا نہ کرتا تھا یعنی سلیس اردو میں نہ تھا۔ جب میر امن کو یہ کام سونپا گیا تو انہوں نے دونوں نسخوں کو سامنے رکھا اور ترجمہ اس طور پر کیا کہ وہ ترجمہ نہ ہو کر ان کی اپنی تصنیف بن گیا۔ اور اس کی زبان ایسی نکھری اور ستھری ہوئی تھی کہ لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اسی کتاب کے ذریعہ نئی اردو نثر کی بنیاد پڑی۔ اس کتاب کی خوبی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سر سید احمد خاں نے اس کتاب کو دیکھ کر کہا تھا کہ میر امن کو اردو نثر میں وہی رتبہ حاصل ہے جو میر تقی میر کو شاعری میں حاصل ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ میر امن نے نہ صرف یہ کہ بھاری بھرکم عربی و فارسی کے الفاظ سے گریز کیا بلکہ جہاں وہ فارسی و عربی الفاظ کا استعمال کر سکتے تھے وہاں بھی انہوں نے حتی الامکان کوشش کی کہ سیدھے سادے لفظ ہی استعمال کریں۔ اس غرض کی وجہ سے انہوں نے بہت ایسے ہندی کے سہل الفاظ استعمال کئے جو عام بول چال میں بولے جاتے تھے۔ معروف ناقد پروفیسر وہاب اشرفی ان کی نثر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''باغ و بہار'' نے اردو کا ایک نیا اسلوب پیش کیا تھا۔ سادہ، سہل، رواں اور ترسیلی، چنانچہ عہد بہ عہد نقادوں نے نہ صرف اسے سراہا بلکہ اس کے منفرد اور بے ساختہ انداز تحریر کو پسند کیا اور ستائش کی۔ یہ سچ ہے کہ اردو کی دوسری پرانی کتابیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔۔۔'' (تاریخ ادب اردو)

میر امن کی پیدائش ۱۷۳۲ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰۶ میں انتقال کیا۔ ان کا تخلص لطف تھا۔ (جاری)

ڈاکٹر توقیر عالم

اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی، پٹنہ